پروفیسر خالد شبیر

دین اور سیاست

دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق سیاست دین سے جدا اور مختلف نہیں بلکہ دین کے تابع ہے۔ جو سیاست دینی اقدار اور دینی اصولوں کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنتی اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام میں دین اور سیاست لازم و ملزوم ہیں۔ دین بغیر سیاست کے محض عبادت کا نام بن کر رہ جاتا ہے۔ دین کی راہنمائی کے بغیر سیاست ایک ایسی آزادی کا دوسرا نام ہے جس کا نتیجہ ہلاکتوں اور بربادیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ دین اور سیاست، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسی تعلق کی نشاندہی کرتے ہیں جو تعلق سورج اور چاند کا ہے۔ چاند کی ساری روشنی، سورج کی روشنی کا ایک پرتو ہے۔ چاند کا اپنا کچھ نہیں۔ بلکہ جو کچھ سورج سے حاصل کرتا ہے دنیا تک پہنچا دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح اسلام میں سیاست کا اپنا کچھ نہیں بلکہ سیاست، دین کی قوت، دینی اصولوں اور دینی تعلیمات کی مظہر ہے۔

جن قوموں اور مذاہب کے پاس "دین اسلام" کی طرح کا کوئی مکمل ضابطہ حیات نہیں ہے جو انکی اس جدید دور میں راہنمائی کرسکتا انکا دین اور سیاست کی تفریق کو اپنانا ایک فطری امر تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے؟ لیکن جو مسلم ریاستیں اس نظریے کو اپنا رہی ہیں انہوں نے دین اسلام کے ان اصولوں سے بغاوت کی ہے جن میں حکومت اور سیاست کا دین سے تعلق بیان کیا گیا ہے۔ وہ بظاہر یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں سیاست یا حکومت کے کاروبار کو اللہ اور رسول ﷺ کی ہدایات یا اسلامی احکام کی روشنی میں چلایا نہیں جاسکتا لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ سیاست یا کاروبار حکومت میں اسلامی احکامات یا اسلامی اصولوں کی پابندی سے انہیں خود جو نفس کشی کی زندگی اپنانی پڑتی ہے۔ اپنے ذاتی مفادات اور ذاتی خواہشات سے دستبرداری کا جو اعلان کرنا پڑتا ہے اسکے لئے وہ اپنے آپ کو آمادہ نہیں کرپاتے۔ اس لئے حکمران ٹولے نے اپنی عافیت اس غلط مفروضے میں سمجھی ہے کہ دین اور سیاست دو علیحدہ اور جدا چیزیں ہیں ورنہ اگر آج کوئی حکمران تقویٰ کی خوبی پیدا کرکے قربانی و ایثار کی زندگی کو اپنا شعار بنالے تو بین الاقوامی طور پر یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ اصل سیاست وہ ہے جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اختیار کی جائے۔ ایسی سیاست سے دنیا کے الجھے ہوئے مسائل آج بھی حل ہوسکتے ہیں۔ لیکن اس دور کا سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ خود مسلمان اس راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں۔

ہمارے ہاں غالب اکثریت ایسے حکمرانوں کی ہے جو اسلام کے اصولوں، احکامات، اللہ اور رسول ﷺ کی ہدایات کے مقابلے میں اپنی خواہشات اور ذاتی مفادات کے زیادہ وفادار ہیں۔ خود پاکستان کی ۵۰ سالہ سیاست اس بات کی غماز ہے۔ حالانکہ یہ ملک صرف اور صرف اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔

امام ابن تیمیہ کے نزدیک دین و سیاست لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور محال ہے۔ سیاست قیام دین کا ذریعہ ہے۔ جس سے انسانوں میں تقرب الی اللہ کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔ حکومت امانت سمجھی جاتی ہے، اقامت دین حکمرانوں کا مقصود بن جاتا ہے، مال اللہ کی راہ میں خرچ ہونا شروع ہوجاتا ہے اور انفاق پر خرچ ہونے سے دین اور دنیا کی فلاح ہونے لگتی ہے۔ وہ اپنی کتاب "سیاست الٰہیہ" میں لکھتے ہیں:۔

ولایت و حکمرانی کا مقصد اللہ کی مخلوق کے دین کی اصلاح ہے۔ اگر لوگوں کا دین برباد ہو جائے تو بے حد مہلک ہوگا اور قتال کے اعتبار سے دنیاوی نعمتیں انکو کچھ فائدہ نہ دے سکیں گی جن سے منعم حقیقی نے نوازا ہے۔ اگر سلطنت، دین سے محروم ہو یا دین حکومت کی پشت پناہی سے عاری ہو تو لوگوں کے اعمال فاسد ہو جاتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ اسے اپنے دور کا سب سے بڑا المیہ قرار دیتے ہیں کہ عمال حکومت، حقیقت ایمان اور کمال دین سے محروم ہیں۔ انکے نظریات کے مطابق تاریخ انسانیت میں جب کبھی دین و سیاست کو الگ الگ کیا گیا ہے معاشرہ میں نتیجتہً دو گروہ پیدا ہوئے ہیں۔ ایک وہ گروہ جو بظاہر تو دیندار ہوتا ہے لیکن انکی دینداری سے اسلامی ریاست کو صحت مند اقتدار میسر نہیں آتا۔ اور دوسرا گروہ ایسے حکمرانوں کا وجود میں آتا ہے جو اپنے وسائل اور حربی قوت کو بروئے کار تو لاتے ہیں مگر انکا مقصد اقامت دین نہیں ہوتا۔ امام ابن تیمیہ کے نزدیک یہ دونوں گروہ "مغضوب علیہم ولاالضالین" کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی صالح کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

مفکر پاکستان علامہ اقبال کے ہاں دین اور سیاست کی دوئی قابل مذمت ہے۔ اقبال کے نزدیک ایسی سیاست جس میں اخلاقی اقدار سے بغاوت کی تلقین کی جائے انسان کی بربادی کا باعث ہے۔ یہ اخلاقی اقدار صرف دین کی تعلیمات سے ہی انسان کو میسر ہیں۔ اقبال ایسے سیاست دانوں کا قائل ہے جن میں نظم و ضبط کی خوبی موجود ہو۔ جن میں مخصوص اخلاقی روح کار فرما ہو۔ سیاست کا دامن ایک طرف نظم قانون سے بندھا ہو اور دوسری طرف اخلاق سے بھی اس کا گہرا تعلق ہو۔ علامہ اقبال سیاست کو صرف مادی نظم و ضبط کا ذریعہ ہی قرار نہیں دیتے بلکہ اسے انسانی روح کی جلا اور بالیدگی کا سبب بھی بتاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انکے ہاں سیاست اور دین کے درمیان گہرا اور مضبوط تعلق بنی نوع انسان کے مفاد میں ہے۔ جس نظام حکومت پر دین کی گرفت نہیں تو ایسی سیاست چنگیزیت میں تبدیل ہو کر رہ جاتی ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اقبال میکاؤلی کی اس وجہ سے بھی مخالفت کرتے ہیں کہ انکے نزدیک یورپ کا یہ پہلا مفکر ہے جس نے مذہب اور سیاست کو دو علیحدہ علیحدہ خانوں میں بانٹ دینے کی تلقین کی۔ اقبال نے اپنے منظوم کلام میں بارہا سیاست و مذہب کی علیحدگی کی مذمت کی ہے۔

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دنیا میں جس دن جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لئے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری

علامہ اقبال کے نزدیک جو لوگ دین کو سیاست سے جدا کرتے ہیں گویا وہ جسم کو جان سے جدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لئے اقبال ایسے نظام حکومت کے حق میں ہے جس میں روح و مادہ، دین و سیاست کو جدا جدا کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ اور انکے نزدیک ایسا نظام حکومت صرف اور صرف اسلام نے ہی انسانیت کے سامنے پیش کیا ہے۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک "جنیدی" و "اردشیری"

اقبال کے نزدیک اسلام ایک ایسا نظام حکومت دیتا ہے جس پر اگر عمل کیا جائے تو فقر و بے نوائی اور تاج و سریر ایک جگہ پر جمع ہوجاتے ہیں۔

حکمران، حکمران بھی ہوتا ہے اور خوف خدا سے فقیر بے نوا بھی۔ انسانیت کی فلاح کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ دین و دنیا، اخلاق و سیاست ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رہیں۔ قوت و جبروت کے ساتھ اگر عجز و انکساری ہوگی تو محبت فاتح عالم کی تفسیر مکمل ہوگی۔ جنیدی و اردشیری کے حسین امتزاج سے ہی ایک ایسا نظام سیاست وجود میں آتا ہے جو انسانیت کی تکمیل کا باعث بن سکتا ہے۔ دور حاضر کی سیاست کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ اس نے سیاست سے دینی اقدار کو الگ کر دیا ہے۔ جس سے سیاست بے لگام گھوڑے کی مصداق ہے۔ جسکے جلو میں انسانیت کے لئے تباہ کاریوں کے سوا اور کچھ نہیں۔

میری نگاہ میں ہے یہ سیاست لادین
کنیز اہرمن دوں نہاد و مردہ ضمیر
ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر

ڈاکٹر حمید اللہ نے اس بات کو ایک علمی مضمون میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"قدیم زمانوں میں جب انسانی تمدن نے زیادہ ترقی نہ کی تھی اور تقسیم کار کی اتنی زیادہ ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ کسی ملک میں مرکزی حکومت کے اختیارات یا تو عدل گستری کے متعلق ہوتے تھے یا قومی معبود کی پرستش و عبادت کے متعلق۔ دیگر سلطنتی نظم و نسق کے مسائل اٹھتے ہی نہ تھے بلکہ وہ عوام کے معاملات سمجھے جاتے تھے۔ اور عبادت ہی نہیں عدل گستری اور جنگ بھی مذہبی مراسم کے تابع تھی۔ تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ کشوری اور مذہبی فرائض میں دوری پیدا ہوتی چلی جاتی تھی۔ رومیوں نے یس Jus (دنیاوی قانون) کو ہمہ گیر فاس (fos) یا مذہبی قانون سے ایک الگ چیز کے طور پر ایجاد کیا۔ بقول قرآن، یہودیوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک

بادشاہ مقرر کردو جسکے ساتھ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کرسکیں"

انہوں نے مذہب و سیاست یا نبوت و بادشاہت کو الگ الگ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھی یہ قول انجیل میں مذکور ملتا ہے کہ "قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو اور کلیسا کی کلیسا کو"۔

بدھ متوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں ترک دنیا انسانیت کا کمال قرار پایا۔

غرض قدیم اہل مذاہب نے دنیائے ناپائیدار کو دل لگانے کی جگہ نہ سمجھا۔ لیکن اس میں دو بنیادی مسائل نظر انداز ہو کر خامی پیدا ہو گئی۔ ایک تو گنتی کے چند فرشتہ صفت انسانوں کے سوا جو لاکھوں کروڑوں عوام الناس تھے ان کے معاملات مادیت پسندانہ ہو گئے۔ اور دوسرے سیاست کی اخلاقی بنیاد نہ رہی۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ سابقہ تمام مذاہب اکائیوں یا دہائیوں میں ختم ہوجانے والے فرشتہ صفت انسانوں کے لئے ہوتے تھے اور اسلام ناز کرسکتا ہے۔ وہ امیوں اور اوسط درجے کے انسانوں کے لئے ایک قابل عمل دستوار لایا۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں امیوں ہی کی بہت بڑی اکثریت ہوتی ہے۔ انسان نما فرشتے اور انسان نما شیطان دونوں کی تعداد بہت محدود ہوتی ہے۔

مذہب و سیاست دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ مذہب خدا اور بندے کے تعلقات کا نام ہے اور سیاست بندے اور بندے کے معاملات کا۔ ان دونوں کو ایک کہنے والا گویا ہاتھ اور پاؤں دونوں کو ایک کہتا ہے لیکن جس طرح ایک زندہ اور تندرست انسان میں ہاتھ اور پاؤں دونوں ہی ایک مشترکہ اور مرکزی قوت مثلاً عقل یا ارادے کے تابع ہوتے ہیں بالکل اسی طرح دین اسلام نے مذہب اور سیاست کو ایک مشترکہ دستور العمل کے تابع کر دیا جو قرآن یا ربانی کلام تھا۔ اور دونوں ہی کی راہنمائی کے لئے احکام کا ماخذ ایک ہی قرار دیکر سیاست میں اخلاقی اساس اور اخلاق میں حقیقت پسندی باقی رکھی۔ کوئی شخص ہاتھوں کے بل تھوڑی دیر ضرور چل سکتا ہے اور پاؤں سے برا بھلا لکھ بھی ضرور سکتا ہے اسی طرح عبادت کو سیاست اور سیاست کو عبادت بنا کر انسان چند روز ضرور گزارہ کر سکتا ہے لیکن یہ غیر فطری عمل نہ سہولت بخش ہوگا اور نہ مفید۔

محمد ﷺ دنیا میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے صرف آسمانی بادشاہت کی ہی خوشخبری نہیں دی بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تاکہ دنیا میں اللہ کی بندگی بے خوف و خطر کی جاسکے۔ اور اللہ کی بادشاہی دنیا میں قائم ہو۔

بہ حوالہ سورۃ النور آیت ۵۵ ارشاد ربانی ہے:۔

" اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے یہ وعدہ کیا کہ وہ انکو زمین میں حاکم بنائے گا جیسا کہ انکو حاکم بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور انکے لیے انکے اس دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے جزا دے گا۔"

قرآن نے سب سے اچھی دعا انسانوں کے لئے یہ بتائی ہے۔

"اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔

قرآن میں ایک مقام پر فرمایا۔

"اور جنہوں نے نیک کام کئے انکے لئے دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور پرہیز گاروں کا گھر کیسا اچھا ہے"

جن لوگوں نے خدا کی راہ میں جان کی بازی لگائی انکے لئے بشارت ہے۔

"تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔"

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، ناموری و عزت، مال و دولت اور حکومت و سلطنت ہے جنھوں نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور خوشی خوشی ہر قسم کی تکلیف جھیلی تو انکو دونوں جہاں کی نعمتیں بخشیں۔

"اور جنھوں نے ہمارے لیے ستائے جانے کے بعد گھر چھوڑا انکو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے تو بے شک آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے۔"

اور اولیاء اتقا یعنی فرشتہ صفت مسلمانوں کو ترک دنیا کی ہدایت نہیں کی بلکہ دنیاداری اور دینداری دونوں کے ملاپ کا حکم دیا ہے۔

"ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کے لئے کہیں اور برے کاموں سے روک دیں اور ہر کام کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

ان آیتوں سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اللہ کے قانون کے اجراء کی طاقت ہونی چاہیئے اور یہ اشارہ بھی ہے کہ دین و دنیا کا امتزاج یا ملاپ ہی انسان کو انسان بناتا ہے اور "احسن تقویم" کا مظاہرہ ہوسکتا ہے۔ ورنہ انسان یا تو فرشتہ ہو جائے گا یا شیطان اور دونوں اصناف سے جدا ایک خاص مخلوق یعنی انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

پاکستان میں سانحہ یہ ہے کہ دین دار لوگ بھی بے دین مروجہ سیاست کا شکار ہوگئے ہیں۔ ہماری سیاست ہمارے دین کی ترجمان نہیں رہی، جو ہمارے دین کی قوت کی مظہر ہے۔ جو ہمارے دین کے نفاذ کا باعث بنے۔ شاید اسی لئے مفکر احرار چودھری افضل حق نے فرمایا تھا کہ "دین اسکا زندہ ہے جس کی سیاست زندہ ہے"۔

بقول امام ابو حنیفہ۔ "دین کا مقصد سوائے دین کی حکومت کے اور کچھ نہیں اور دین کی حکومت کا مقصد سوائے اللہ کی خوشنودی کے اور کچھ نہیں۔"

جب ہماری سیاست ہمارے دین کے نفاذ کا باعث بنے گی تو ہماری سیاست زندہ ہوگی اور جب ہماری سیاست زندہ ہوگی تو دین ضرور نافذ ہوگا۔ اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں دین نافذ ہو تو ہمیں اپنی سیاست کو پاک صاف کر کے دین کے مطابق بنانا ہوگا اس معاملے میں امام غزالی کا قول ہے۔

"نظام دین کا دارومدار نظام دنیا پر ہے اور نظام دنیا بغیر امام کے محال ہے۔ اس لئے نظام دین ایک ایسے امام کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے جس کی لوگ اطاعت کرتے ہوں۔"

اس طرح امام غزالی دین و دنیا کو جدا نہیں کرتے وہ دونوں کو چولی دامن کی حیثیت دیتے ہیں اور دلیل میں مشہور حدیث پیش کرتے ہیں کہ: اگرچہ مقصود بالذات دین ہی ہے لیکن حصول دین کا ذریعہ حکومت و سیاست ہے اور بغیر حکومت کے اُخروی سعادت کا تصور ہی محال ہے۔

اسلامی فکر میں دین اور سیاست کی دوئی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا اور اسکا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنی ریاست کو اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ یہ جدوجہد انکے دین اور ایمان کا تقاضا ہے۔ وہ قرآن پاک اور حدیث رسول ﷺ میں جس طرح اخلاق اور حسن کردار کی تعلیمات پاتے ہیں اسی طرح معاشرے، تمدن، معیشت

(بقیہ ص ۵۶ پر)